علمِ بیان

اس شعر کو پڑھیے اور غور کیجیے:

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

کسی بات کو دل کش اور پُر اثر انداز سے کہنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔

''وہ علم جس کے ذریعے ہم کسی بات/ کلام کو دل کش اور پُر اثر بناتے ہیں، ''علمِ بیان'' کہلاتا ہے۔''

زبان و بیان پر قدرت ہو تو کہنے والا ایک ہی خیال کو نت نئے انداز سے ادا کر سکتا ہے، اس خوبی سے کہ اس میں دل کشی اور اثر بھی رہے اور ایجاز و اختصار بھی۔

میر انیسؔ کا یہ بند پڑھیے اور اس کے ذریعے علمِ بیان کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کیجیے:

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں — قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہرِ منوّر سے ملا دوں — خاروں کو نزاکت میں گُلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

''اک رنگ کا مضمون سو رنگ سے باندھنا'' یہی علمِ بیان ہے۔

کسی خیال کو پیش کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں، جیسے: تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجازِ مرسل وغیرہ۔ یہ اجزا نثر اور شعر دونوں میں برتے جاتے ہیں۔

تشبیہ

(Simile)

میر تقی میرؔ کا یہ شعر پڑھیے:

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے   پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں لب (ہونٹ) کو گلاب کی پنکھڑی کے مانند بتایا گیا ہے۔

''کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے مانند بتانا، تشبیہ کہلاتا ہے۔'' ان دونوں چیزوں میں کسی نہ کسی طرح کی مشابہت کا ہونا ضروری ہے۔

تشبیہ کے چار جز ہیں:

1. مشبّہ: جس چیز کی تشبیہ دی جائے۔ جیسے: لب کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی گئی ہے اسے مشبّہ کہتے ہیں۔
2. مشبہ بہ: جس چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جیسے: گلاب کی پنکھڑی سے لب کو تشبیہ دی گئی ہے۔
3. وجہ یا غرض تشبیہ: ایک شے کو دوسری شے سے تشبیہ دینے کی کوئی وجہ یا غرض ہوتی ہے۔ جیسے: نازک سرخ لب کو گلاب کی پنکھڑی اس لیے کہا گیا کہ گلاب کی پنکھڑی نازک اور سرخ ہوتی ہے۔ ان دونوں میں نزاکت اور سرخ رنگ وجہ تشبیہ/ وجہ شبہ ہے۔
4. حرفِ تشبیہ: وہ لفظ جو تشبیہ ظاہر کرے۔ میر کے اس شعر میں لفظ ''سی'' حرفِ تشبیہ ہے۔ 'سی' کے علاوہ جیسا، ایسا، ویسا، سا، مانند، طرح، گویا، یوں، وغیرہ الفاظ بھی تشبیہ کو ظاہر کرتے ہیں، یہ حرفِ تشبیہ ہیں۔

استعارہ
(Metaphor)

حسرت موہانی کی غزل کا درج ذیل مطلع پڑھیے اور غور کیجیے کہ انھوں نے محبوب کی تعریف کے لیے کیا الفاظ استعمال کیے ہیں:

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام

دوسرے مصرعے میں آتشِ گل استعمال ہوا ہے۔ آتشِ گل سے مراد ہے 'دہکتا ہوا پھول' یا بہت خوبصورت پھول۔ شاعر نے اس مصرعے میں یہ نہیں کہا کہ اس کے محبوب کا حسن آتشِ گُل کی مانند ہے۔ اس نے صرف آتشِ گُل کہا اور ہم نے سمجھ لیا کہ اس کا مطلب دہکتا ہوا پھول نہیں بلکہ جمال یار یعنی محبوب کا حسن ہے۔ یہاں لفظ کو اپنے اصل معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

''وہ لفظ جو اپنے اصلی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کیا جائے اور دونوں معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو، اُسے استعارہ کہتے ہیں۔''

استعارہ لفظ 'مستعار' سے بنا ہے جس کے معنی 'ادھار لینا' ہے۔ اسی لیے استعارے میں لفظ اپنے لغوی معنی کے بجائے کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ البتّہ دونوں لفظوں کے مابین کسی خصوصیت کی بنا پر تشبیہ کا تعلق ضرور پایا جاتا ہے۔

استعارے اور تشبیہ میں گہرا تعلق ہے۔ تشبیہ ہی کی طرح استعارے میں مشبّہ اور مشبّہ بہ ہوتا ہے۔ تاہم

استعارے میں مشبّہ کو مستعار لۂ اور مشبّہ بہ کو مستعار مِنۂ کہتے ہیں۔

ان دونوں کے مابین ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ تشبیہ میں کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے جیسا بتایا جاتا ہے اور اس کے اظہار کے لیے حرفِ تشبیہ یعنی 'جیسا'، 'کی طرح'، 'مانند' وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جب کہ استعارے میں یہ الفاظ نہیں ہوتے۔

نیچے دی ہوئی مثالوں کو دیکھ کر یہ فرق اور واضح ہو جائے گا:

تشبیہ	استعارہ
زید رستم کی طرح ہے	زید رستم ہے
احمد فرشتے جیسا ہے	احمد فرشتہ ہے
شکیلہ چاند کی مانند ہے	شکیلہ چاند ہے

عام طور پر استعارے میں صرف مستعار مِنۂ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد مستعار لۂ ہوتا ہے۔ سیدھے سادے انداز میں اسی بات کو یوں سمجھیے کہ استعارے میں جس چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے صرف اسی کا ذکر کر دیتے ہیں اور اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جسے تشبیہ دی گئی ہے۔

مثال کے طور پر مثنوی 'سحر البیان' میں جب شہزادہ بے نظیر کو پری چھت سے اٹھا لے جاتی ہے تو بادشاہ کا ردِّعمل اس طرح ہوتا ہے۔

کہا شہ نے واں کا مجھے دو پتا عزیزو! جہاں سے وہ یوسف گیا

یوسف جیسا بے نظیر کہاں گیا۔ صرف یوسف کہنے سے ہی ہم نے سمجھ لیا کہ یہ بے نظیر کا استعارہ ہے۔

کنایہ

امیؔر مینائی کا ایک شعر ہے:

اس چمن میں طائرِ کم پرَ اگر میں ہوں تو کیا
دور ہے صیاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے

اس شعر میں طائرِ کم پر سے مراد ہے کم اڑنے والا پرندہ۔ ایسا پرندہ جو تیز رفتار نہ ہو۔ کم پر کہہ کر شاعر نے بات واضح نہیں کی بلکہ بات پوشیدہ رکھی۔

''بات کا پوشیدہ رکھ کر کہنا یا مخفی اشارہ، کنایہ کہلاتا ہے۔''

کنایہ وہ لفظ ہے جس کے حقیقی یا اصلی معنی مراد نہ ہوں بلکہ غیر حقیقی معنی مراد لیے جائیں۔

غالبؔ کا ایک شعر ہے:

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں، جنوں نہیں، وحشت نہیں مجھے

اس شعر میں بھی کسی کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔ جس کا نام پوشیدہ رکھ کے کنایہ کا استعمال کیا گیا ہے۔

مجاز مرسل

میرؔ کا یہ شعر پڑھیے۔

غضب آنکھیں، ستم ابرو، عجب منہ کی صفائی ہے
خدا نے اپنے ہاتھوں سے تری صورت بنائی ہے

دوسرے مصرعے میں لفظ ''ہاتھوں'' اپنے اصلی یا حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس سے مراد ''خدا کی قدرت'' ہے۔

''جب کسی لفظ کو اس کے اصل معنی کے بجائے مجازی یا دوسرے معنی میں استعمال کیا جائے تو، اسے مجازِ مرسل کہتے ہیں۔''

حالی کا ایک شعر۔

ہنر کا جہاں گرم بازار ہے اب
جہاں عقل و دانش کا بیوپار ہے اب

اس شعر میں گرم بازار سے مراد ''ترّقی'' ہے۔ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ اب جو لوگ ہنر مند ہیں وہی ترّقی کر رہے ہیں۔ شاعر نے براہ راست بات نہ کہہ کر شاعرانہ انداز سے شعر میں ایک معنوی خوبی پیدا کر دی ہے۔